پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۲۱)

(آیت ۳۰)

(گزشتہ سے پیوستہ)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (۱) اللغۃ (۲) الاعراب (۳) الرسم اور (۴) الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب "اللغۃ" کے لیے ۱، "الاعراب" کے لیے ۲، "الرسم" کے لیے ۳ اور "الضبط" کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا

۲:۲۱:۲ الإعراب

آیت زیرِ مطالعہ اعرابی لحاظ سے چار مستقل جملوں پر مشتمل ہے جن میں سے ایک جملہ حالیہ ہونے کی بناء پر اپنے سے سابقہ جملے کا جزء بھی شمار ہو سکتا ہے ان چار جملوں کے اعراب کی تفصیل یوں ہے:-

(۱) وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً

[وَ] یہاں استیناف کے لیے ہے کیونکہ اس کے بعد والے جملے کا اس سے پہلے جملے بلحاظ مضمون عطف (ربط) نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہاں سے ایک نئی بات شروع ہو رہی ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے [۲:۷:۱(۱)] میں

کہ واوِ مستانفہ میں اصلی مفہوم تو " اور یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ " کا ہوتا ہے ۔ تاہم اس کا اردو ترجمہ صرف " اور " سے چل جاتا ہے [اِذْ] یہاں ظرفیہ ہے جس میں زمانۂ ماضی کے " وقت " کا مفہوم موجود ہے ۔ اکثر نحوی اور مفسرین اسے ایک فعل محذوف (مثلاً اُذْکُرْ) کا مفعول بہ مانتے ہیں ۔ (دیکھئے اوپر اسی آیت کے شروع میں بحث " اللغۃ ") ۔ بعض نحویوں نے اس (" اذکر " والی) توجیہ کے علاوہ بعض دوسری توجیہات بھی بیان کی ہیں[۱] ۔ ہمارے نزدیک کم ازکم قرآنی قصص کے علاوہ میں آنے والے " اذ " (جیسا یہاں ہے) کی حد تک فعل محذوف کا مفعول بہ یا مفعول فیہ ہونے والی بات زیادہ عام فہم ، سہل اور مقبول ہے ۔ گویا " اِذْ " کا ترجمہ " اس وقت کو جب " یا " وہ وقت جب " ہونا چاہیئے تاہم اردو میں صرف " جب کہ " یا " جب " سے کام چل جاتا ہے ۔
[قَالَ] فعل ماضی معروف واحد مذکر غائب ہے اور یہاں ظرفیہ " اِذ " کا مضاف الیہ ہونے کے باعث محلاً مجرور ہے ۔ [رَبُّكَ] مضاف (ربّ) اور مضاف الیہ (كَ) مل کر فعل " قال " کا فاعل ہے ۔ اس لیے " ربُّ " مرفوع ہے علامتِ رفع " بُ " کا ضمہ (ـُ) ہے ۔ [لِلْمَلٰئِكَةِ] جارّ (لِ) اور مجرور (ملائکۃ) مل کر فعل " قال " سے متعلق ہے یعنی " کہا فرشتوں سے) اور " للملٰئکہ " میں " ل " کو فعل " قال " کا صلہ سمجھیں تو اسے (للملائکۃ کو) مفعول سمجھ کر محلاً منصوب بھی کہہ سکتے ہیں یعنی " فرشتوں کو کہا " ۔ [اِنِّی] میں " اِنَّ " حرف مشبہ بالفعل اور ضمیر منصوب متصل (ی) اس کا اسم ہے ۔ [جاعِلٌ] " اِنَّ " کی خبر مرفوع ہے [فی الارض] جار (فی) اور مجرور (الارضِ) مل کر متعلق خبر (جاعلٌ) ہیں ۔ یہ اس صورت میں ہے جب (جاعل) کو بمعنی " خالق " (پیدا کرنے والا) لیا جائے گا ۔ اور اگر اس کو بمعنی " مُصَیِّر " (بنانے

---

[۱] چاہیں تو مزید بحث کے لیے دیکھ لیجئے اعراب القرآن (للدرویش) ج ۱ ص ۷۶ ۔ البیان (ابن الانباری) ج ۱ ص ۷۰ اور معجم النحو ص ۵ ۔

والا ، مقرر کرنے والا) سمجھا جائے تو پھر یہ مرکب (فی الارض) جاعلٌ (اسم الفاعل) کا مفعول بہٖ ثانی ہو سکتا ہے جب کہ [خلیفۃ] اسی اسم الفاعل (جاعلٌ) کا مفعول بہٖ اول ہے ۔ اگرچہ ترکیب کے اس فرق سے اردو ترجمہ پہ کوئی خاص اثر نہیں پڑتا ۔ اور یہاں "جاعِلٌ" "فعل " اَجْعَلُ " کا کام دے رہا ہے جس سے ایک تو اس میں زمانۂ مستقبل کا مفہوم پیدا ہوتا ہے ۔ دوسرے وہ اپنے مفعول کو نصب دے رہا ہے (آپ کو معلوم ہوگا کہ مصادر اور مشتق اسماء بھی فعل کا عمل کرتے ہیں) اس لیے یہاں "خلیفۃً" منصوب ہے اور " فی الارض" (جار مجرور) بھی گویا محلاً منصوب ہے ۔

(۲) قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ

[قَالُوْا] فعل ماضی معروف مع ضمیر فاعلین " ھم " ہے (بصورت واو الجمع)۔ یہاں سے ایک جملہ مستأنفہ شروع ہو رہا ہے (اس لیے کہ "اِذْ" بطور شرط نہیں آتا) ۔ تاہم بلحاظ معنی و مفہوم اس نئے جملے کو پچھلی عبارت سے متعلق سمجھا بھی جا سکتا ہے اس صورت میں " قالوا " کا ترجمہ " تو انہوں نے کہا ، تو بولے " سے کیا جا سکتا ہے اور کیا گیا ہے ۔ [اَتَجْعَلُ] میں " اَ " تو استفہام کا ہے اور یہاں استفہام سوال سے زیادہ تعجب کے معنی میں ہے ۔ " تجعل " فعل مضارع معروف ہے جس میں ضمیر فاعل " اَنْتَ " مستتر ہے ۔ [فیھا] جار مجرور (جس میں ضمیر مجرور "ھا " " الارض " کے لیے ہے) متعلق فعل " تجعل " ہے اگر اسے "تخلق" (پیدا کرنا) کے معنی میں لیں تو ___ اور اگر اسے " تصییر " (بنا دینا) کے معنی میں سمجھیں تو پھر یہ (فیھا) اس فعل (تجعل) کا مفعول بہٖ ثانی ہے ۔ (پہلا مفعول " مَن " آگے آ رہا ہے) [مَنْ] اسم موصول ہے جو اپنے صلہ سمیت (جو آگے آ رہا ہے) یہاں فعل تجعل (بمعنیٔ تخلق) کا مفعول بہٖ ہے ___ یا " تجعل (بمعنیٔ تصییر) کا مفعول بہٖ اول ہے ۔ اس طرح " مَنْ " یہاں منصوب ہے یعنی " اس کو جو " ___ مبنی ہونے کے باعث اس (مَنْ) میں کوئی علامتِ

اعراب ظاہر نہیں ہے [یُفسِد] فعل مضارع معروف مع ضمیر فاعل " ھُوَ " ہے۔ یعنی یہ مستقل جملہ فعلیہ ہے جو " مَنْ " کا صلہ ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ یہاں سے صلہ کا آغاز ہوتا ہے [فیھا] جار مجرور اسی فعل (یفسد) سے متعلق ہیں۔ اور یوں یہ مکمل جملہ " یفسد فیھا " اسم موصول " مَنْ " کا صلہ بنتا ہے۔ اور یہ صلہ موصول مل کر یعنی " من یفسد فیھا " فعل " تجعل " کا مفعول بہ ہونے کے لحاظ سے محلاً منصوب اگرچہ ترکیب میں عموماً صرف اسم موصول کا ہی اعراب (رفع نصب یا جر) بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے بھی اوپر " مَنْ " کو ہی منصوب کہا ہے۔ اور "صلہ " کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جملہ میں اس کا کوئی اعرابی محل (مقام) نہیں ہوتا مگر یہ بات اس لیے غلط معلوم ہوتی ہے کہ " صلہ موصول " ہمیشہ مل کر جملے کا کوئی حصہ بنتے ہیں ــ اگرچہ اعراب کا اثر (اگر ظاہر ہو تو) اسم موصول میں ہی ظاہر ہوتا ہے۔

[وَیسفِكُ] کی واو عاطفہ ہے جس سے صلہ کا دوسرا حصہ، جو آگے آرہا ہے۔ سابقہ حصے (یفسد فیھا) پر عطف ہے اور " یسفكُ " فعل مضارع معروف مع ضمیر فاعل " ھُوَ " ہے [الدماءَ] فعل " یَسْفكُ " کا مفعول بہ (لھذا) منصوب ہے علامت نصب آخری ھمزہ کی فتحہ (ءَ) ہے۔ اس طرح " الدماء " کے جمع ہونے کی بناء پر " یسفكُ الدماء " کا لفظی ترجمہ ہوگا " وہ بہائے گا خونوں کو " اور اسی جمع والے مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے بامحاورہ اردو ترجمہ " وہ خونریزیاں کرے گا یا کشت و خون کرے گا " سے کیا گیا ہے۔ بلحاظ ترکیب یہ دوسرا جملہ " وَیَسْفِكُ الدماءَ " بھی بذریعہ عطف (وَ) " مَنْ " کے صلہ میں شامل ہے۔ یعنی " مَنْ یفسد فیھا ویسفك الدماء " سب صلہ موصول ہے اور اسم موصول " مَنْ " کے اعراب کے حکم میں (محلاً منصوب) ہے۔

(۳) وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لكَ۔

[وَ] حالیہ بمعنی " حالانکہ " ہے۔ اگرچہ بیشتر مترجمین نے اس کا ترجمہ " اَور (عاطفہ کی طرح) ہی کر دیا ہے۔ اور اس واو الحال کے بعد آنے والا پورا جملہ حال

ہونے کے لحاظ سے سابقہ عبارت (جملہ ۲ مندرجہ بالا) کا ہی ایک حصہ بنتا ہے تاہم چونکہ یہ حالیہ جملہ بھی ایک "جملہ" ہے اور اس کی اپنی اندرونی اعرابی "کیفیتیں" ہیں اس لیے ہم اس کے اعراب سے الگ بات کرنے لگے ہیں۔

پھر پورا جملہ بلحاظ ترکیب چاہے "حالی" بنے یا کچھ اور۔ [نَحْنُ] ضمیر منفصل مرفوع ہے جو یہاں مبتداء کا کام دے رہی ہے [نُسَبِّحُ] فعل مضارع معروف جس میں ضمیر فاعلین "نحن" مستتر ہے۔ ضمیر منفصل مرفوع اور ضمیر متصل مرفوع کے جمع ہو جانے کی بناء پر یہاں "نحن" کا ترجمہ "ہم تو" سے کرنا زیادہ موزوں ہے (اور بعض مترجمین نے اسی طرح ترجمہ کیا ہے) اور یہ جملہ فعلیہ (نُسَبِّحُ) یہاں مبتدأ "نحن" کی خبر ہے یعنی محلاً مرفوع ہے۔ [بِحَمْدِكَ] جارّ (بِ) + مجرور (حمدِ جو آگے مضاف بھی ہے) + مضاف الیہ + مضاف الیہ (كَ) کا مرکب ہے۔ اس (بحمدك کی) "باء" کو نحوی حضرات باء الحال کہتے ہیں[1] کیونکہ اس کے بعد آنے والے فعل (یا اس کے مصدر — جیسے یہاں "حمد" ہے) میں اسم الفاعل منصوب (حال) کے معنی پیدا ہوتے ہیں یعنی یہاں "بحمدك" کا مطلب ہے "حامدین لك" (تیرے حمد کرنے والے ہوتے ہوئے)۔ اس باء الحال کی بعض اور مثالیں بھی آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی (مثلاً المائدہ: ۶۲ میں)۔ — بعض نحویوں نے اسے ایک محذوف حال (مثلاً مشتملینَ) سے متعلق قرار دیا ہے[2] (یعنی شامل کرنے والے ہوتے ہوئے اپنی تسبیح کے ساتھ تیری حمد کو)۔ اور ان دو اعرابی وجوہ (یعنی "بحمدك" میں حال کا مفہوم ہونے) کی بناء پر بعض اردو مترجمین نے "نسبّح بحمدك" کا ترجمہ "ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے ہیں" کے ساتھ کیا ہے۔ اگرچہ اکثر نے "بحمدك" کے لفظی ترجمہ "تیری حمد وثنا کے ساتھ"، "تیری تعریف کے ساتھ" کو ہی اختیار کیا ہے۔ اور غور سے دیکھا جائے تو اس "کے ساتھ" (جو "بِ" کا ترجمہ ہے) میں بھی

---

[1] ابن الانباری (البیان) ج ۱ ص ۱۷

[2] العکبری (التبیان) ج ۱ ص ۲۸ نیز الدرویش (اعراب) ج ۱ ص ۷۷

ایک طرح سے " حال" کا مفہوم موجود ہے یعنی "تیری حمد کو ساتھ لیتے ہوئے"۔ [وَنُقَدِّسُ] کی واو عاطفہ ہے جس کے ذریعے فعل " نقدّس " کا تعلق گزشتہ فعل " نسبّح " سے بنتا ہے۔ اور " نُقَدِّس " ، فعل مضارع معروف کا صیغہ جمع متکلم ہے جس میں ضمیر فاعلین " نحن " مستتر ہے۔ اور اس (نقدّس) کے لغوی معنی دو ہیں (۱) " ہم پاک کرتے ہیں " اس میں ایک مفعول (انفسنا) محذوف ہے یعنی ہم (اپنے آپ کو) پاک کرتے ہیں (۲) " ہم پاکیزگی بیان کرتے ہیں یا پاک کہتے ہیں "۔ [لكَ] جار (ل) اور مجرور (كَ) مل کر فعل " نقدس " سے متعلق ہیں۔ پہلے معنی (۱) کے لحاظ سے تو یہ " لام " اختصاص کے لیے ہے یعنی " تیرے لیے ' تیری خاطر " (اپنے آپ کو پاک کرتے یا رکھتے ہیں)۔ دوسرے (۲) معنی کے لحاظ سے یہ لام زائدہ ہے یعنی " نقدِّسُكَ " اور " نقدس لكَ " کا معنی ایک ہی ہے (جیسے دخل المسجدَ و دخل فی المسجد کا مطلب ایک ہے) اس دوسری صورت میں " لَكَ " مفعول اور محلاً منصوب ہے یعنی " تجھ کو پاک کہتے ہیں یا پاکیزہ ٹھہراتے ہیں "۔ چونکہ فعل " نُسبّح " اور فعل " نقدس " قریب المعنی (پاکیزگی بیان کرنا اور پاکیزہ ٹھہرانا) ہیں۔ اور اردو میں ان کے مصدر " تسبیح " اور " تقدیس " بھی متعارف اور رائج ہیں اس لیے اس پوری عبارت " نحن نسبّح بحمدك ونقدِّس لكَ " کا مجموعی اردو ترجمہ " ہم تو تیری تسبیح اور تقدیس کرتے رہتے ہیں " کیا گیا ہے (نوٹ کیجئے اس میں " بحمدك " کا ترجمہ چھوٹ گیا ہے)۔ اور بعض نے اس کا (مجموعی) ترجمہ " ہم تو تیری حمد و ثناء کے ساتھ تیری تسبیح اور تقدیس کرتے رہتے ہیں " اور " تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح اور تقدیس کرتے رہتے ہیں " کی صورت میں کیا ہے (ان مؤخر الذکر دونوں ترجموں میں " بحمدك " کا ترجمہ بھی شامل ہے)۔ اس عبارت کے تمام اجزاء " نسبح " ، " بحمدك " اور " نقدس " وغیرہ پر بحث " اللغة " میں مفصل بات ہو چکی ہے۔ شروع میں لکھا جا چکا ہے کہ یہ جملہ (۲ء۳) ابتدائی واو حالیہ (وَنحن.....)

کی وجہ سے بلحاظ مضمون جملہ ۲ (قالُوا اَتجعل ......) کا ہی حصہ ہے۔

(۴) قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ

[قال] فعل ماضی معروف مع ضمیر فاعل "ھُوَ" ہے جو یہاں اللہ تعالیٰ کے لیے ہے [اِنِّیْ] حرف مشبّہ بالفعل (اِنَّ) اور اس کے اسم "یائے متکلم" (ضمیر منصوب "ی") پر مشتمل ہے۔ یہ دراصل "اِنَّنِیْ" تھا یعنی "اِنَّ + نِیْ" (یائے متکلم مع نون وقایہ) پھر ایک نون گرا دیا گیا۔ [اَعْلَمُ] فعل مضارع صیغہ واحد متکلم ہے جس میں ضمیر فاعل "اَنَا" شامل ہے۔ اور یہ جملہ فعلیہ ہو کر (اِنّی کے) "اِنَّ" کی خبر (محلًّا مرفوع) ہے۔ [مَا] اسم موصول ہے جو "اَعلم" کا مفعول ہو کر منصوب ہے مگر مبنی ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی ظاہر علامتِ اعراب نہیں ہے (یعنی اس کو جو کہ) [لَا تَعْلَمون] میں "لَا" نافیہ بمعنی "نہیں" ہے اور "تعلمون" فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جو "لا" کے ساتھ مل کر مضارع منفی ہو گیا ہے اور اس کے بعد "ما" کے لیے ایک ضمیر عائد محذوف ہے یعنی اصل عبارت "مالا تعلمونہ" تھی اور یہاں سے "لاتعلمون" (جملہ فعلیہ) "مَا" (موصولہ) کا صلہ ہے اور یوں "مالاتعلمون" پورا صلہ موصول مل کر فعل "اعلم" کا مفعول بنتا ہے۔ اور یہ پورا جملہ (اعلم مالا تعلمون) (اِنّی کے) "اِنّ" کی خبر ہے اس کا لفظی ترجمہ "بے شک میں جانتا ہوں اس کو جو کہ تم نہیں جانتے ہو" بنتا ہے۔ اسی کا بامحاورہ ترجمہ "میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے" اور "مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے" جیسے بعض نے "میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے" اور "میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے" سے ترجمہ کیا ہے اس میں ایک طرح "مَا" کو معرفہ (بمعنی الذی) سمجھ کر ترجمہ کیا گیا ہے۔

● بعض نحوی حضرات نے یہاں "اَعْلَمُ" کو افعل التفضیل کا صیغہ سمجھ کر "مالا تعلمون" کو اس کا مضاف الیہ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں عبارت کے اندر

کچھ محذوف ماننے پڑیں گے مثلاً عبارت کچھ یوں سمجھیں گے " انی اعلم (منکم) (من) مَا لا تعلمون " اور ترجمہ بنے گا " میں جو کچھ تم نہیں جانتے اس کا تمہاری نسبت زیادہ جاننے والا ہوں "۔ تاہم اردو مترجمین نے اس پیچیدہ ترکیب کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور یہاں اس تکلف کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

۲:۲۱:۳ الرسم

آیت زیرِ مطالعہ کے قریباً تمام کلمات کا رسمِ املائی اور رسمِ عثمانی یکساں ہے۔ صرف دو کلمات تفصیل طلب ہیں (۱) جاعل اور للملٰئکۃ۔

(۱) لفظ " جاعِلٌ " یہاں بھی اور پانچ دیگر مقامات پر بھی باثبات الالف بعد الجیم لکھا جاتا ہے اور یہی اس کا رسمِ املائی بھی ہے۔ تاہم اس وضاحت کی ضرورت اس لیے پڑی کہ آگے چل کر کم از کم ایک جگہ (الانعام : ۹۶) اس لفظ کے محذوف الالف ہونے کا ذکر آئے گا۔ اگرچہ وہ بھی مختلف فیہ ہے۔ صاحبِ نثر المرجان نے یہاں بھی مصحف الجزری میں (جو اُن کا ایک مصدر و مرجع ہے) بحذف الالف لکھا ہونا بیان کیا ہے اور اس کی وجہ سے لاعلمی ظاہر کی ہے (نثر المرجان ج ۱ ص ۱۲۵)۔ علم الرسم کی کسی کتاب میں یہاں حذف الالف مذکور نہیں ہے لہذا بظاہر یہ مصحف الجزری کے کاتب کے سہو کا نتیجہ ہے۔

(۲) لفظ " الملٰئکۃ " (للملٰئکۃ میں) جس کی رسمِ املائی " الملائکۃ " ہے۔ یہ لفظ قرآن میں مفرد مرکب مختلف صورتوں میں ستر سے زائد مقامات پر آیا ہے۔ اور ہر جگہ اسی طرح بحذف الالف (بین اللام والھمزۃ) لکھا جاتا ہے یعنی اس پر تمام علمائے رسم کا اتفاق ہے اور ایرانی اور ترکی مصاحف میں جو اسے باثبات الف (رسم املائی کی طرح) لکھنے کا رواج ہوگیا ہے وہ رسم عثمانی کی خلاف ورزی ہے۔

۲ : ۲۱ : ۴ الضبط

اس آیت کے کلمات کے ضبط میں اختلاف کو حسب ذیل نمونوں کی مدد سے سمجھا جاسکتا ہے۔ جن کلمات کے ضبط میں زیادہ اختلاف نہیں، ان کی صرف ایک ہی صورت لکھی گئی ہے:

وَاِذْ ، إِذْ ، ءاذْ / قَالَ ، قَالَ ، قَالَ / رَبُّكَ /
لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ ، لِلْمَلٰئِكَةِ ، لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ ، لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ /
اِنِّىْ ، اِنِّی ، اِنِّي / جَاعِلٌ ، جَاعِلٌ / فِي ، فِي /
الْاَرْضِ ، ٱلْأَرْضِ ، اَلْاَرْضِ /
خَلِيْفَةً ، خَلِيفَةً ، خَلِيفَةً ، خَلِيفَةً /
قَالُوْا ، قَالُوا ، قَالُوْا ، قَالُوٓا /
اَتَجْعَلُ ، أَتَجْعَلُ / فِيْهَا ، فِيهَا ، فِيهَا ، فِيهَا /
مَنْ ، مَن ، مَن / يُّفْسِدُ ، يُفْسِدُ ، يُفْسِدُ /
فِيْهَا (دوبارہ) / وَيَسْفِكُ ، يَسْفِكُ /
الدِّمَآءَ ، الدِّمَاءَ ، ٱلدِّمَآءَ / وَنَحْنُ ، نَحْنُ /
نُسَبِّحُ (یکساں) / بِحَمْدِكَ / وَنُقَدِّسُ ، نُقَدِّسُ /
لَكَ / قَالَ (مثل سابق) / اِنِّىْ (مثل سابق) /

اَعْلَمُ ، اُعْلَمُ ، آعْلَمُ / مَا ، مٰا /
لَاتَعْلَمُوْنَ ، لَاتَعْلَمُوْنَ ، لَاتَعْلَمُوْنَ ،لَا تَعْلَمُونَ ۔

اعلان داخلہ

(دینی تعلیم کا ایک سالہ کورس)

قرآن اکیڈمی کی ایک اہم تعلیمی اسکیم' ایک سالہ کورس کے پہلے سمسٹر میں (جو چھ ماہ پر محیط ہوگا) آئندہ داخلے ان شاء اللہ شوال کے پہلے ہفتے میں ہوں گے۔ اس ضمن میں درج ذیل امور نوٹ کر لئے جائیں:

☆ درخواست داخلہ جمع کرانے کی آخری تاریخ ۲۰ اپریل ۹۲ء ہے۔

☆ اس کورس میں ترجیحاً گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ طلبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے' تاہم استثنائی صورت میں انڈر گریجویٹ طلبہ کی درخواستیں بھی زیر غور لائی جاسکتی ہیں۔

☆ پہلے سمسٹر کا نصاب درج ذیل ہے:

i۔ عربی گرامر (عربی کا معلم ' تین حصے)'
ii۔ عربک ریڈر (طریقہ جدیدہ ' ابتدائی دو حصے)
iii۔ تجوید (ابتدائی قواعد اور مشق)'
iv۔ مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب
v ۔ مطالعۂ دینی لٹریچر (بعض منتخب کتابچے)

(نوٹ: تفصیلات کے خواہش مند حضرات دس روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس طلب کریں)

المعلن: ناظم قرآن کالج' ۱۹۱۔اے' اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور